۲۴

جنگ میں اہلِ ہند کا انگریزوں کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہے

(فرمودہ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ عورتوں کا حصّہ مسجد کے ساتھ بنانے میں غلطی ہوئی ہے کیونکہ وہاں سے آوازیں اس بے تکلفی سے آرہی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے عورتیں نماز کے لئے نہیں آئیں بلکہ کھیلنے کُودنے کے لئے آئی ہیں ، بچے بھی موجود ہیں جو شور مچا رہے ہیں اور عورتیں بھی باتیں کررہی ہیں اور جب عورتوں کی تربیت ایسی ہو تو انہیں الگ وعظ کرنا چاہئے مسجد میں آنے کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ اس لئے منتظمین کو چاہئے کہ اگلے جمعہ سے یہ پردہ اُٹھا دیں اور عورتوں کے لئے پہلے باہر جو انتظام ہوتا تھا وہی رہنے دیں۔

اس کے بعد مَیں دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ یہ ایّام نہایت نازک معلوم ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت انسانوں کے آڑے نہ آجائے اور اس کی رحیمیت اور کریمیت انسانوں کی خطاؤں کی پردہ پوشی نہ فرمائے تو دُنیا بالکل تباہی کے کنارے پر کھڑی نظر آتی ہے۔ وہ لوگ جن کی عمریں ۳۵، ۴۰، ۴۵ یا ۵۰ سال کے درمیان کی ہیں انہیں یاد ہوگا کہ جنگ عظیم جس کی نسبت خیال کیا جاتا تھا کہ شاید اتنی بڑی جنگ کبھی نہیں ہوگی اور جسے عالمگیر

کہا جاتا تھا اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کی تباہی و بربادی شاید سینکڑوں سالوں تک دُنیا کو یاد رہے گی جب وہ ہوئی تو ہندوستان کے لوگوں کو محسوس بھی نہیں ہوا تھا کہ جنگ ہو رہی ہے سوائے اس کے کہ اخبارات میں اس کا ذکر پڑھتے تھے یا کبھی آٹا مہنگا ہو جاتا تھا اور ہندوستانی سمجھ لیتے تھے کہ جنگ ہو رہی ہے یا جو لوگ فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔ ان کے گھروں میں روپیہ آتا تھا یا جب کبھی ان میں سے کسی کے مَرنے کی خبر آتی تھی تو سمجھا جاتا تھا کہ لڑائی ہو رہی ہے ورنہ جنگی لحاظ سے ہمارے مُلک پر اس لڑائی کا کوئی اثر نہ تھا۔ چار سال کی متواتر اور طویل جنگ کے باوجود ہندوستانیوں کو اس کا احساس نہ تھا مگر آج ابھی جنگ شروع بھی نہیں ہوئی لیکن ہندوستان میں جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں اور صرف اس رنگ میں نہیں کہ رنگروٹ بھرتی کئے جا رہے ہیں یا روپیہ سے برطانیہ کو امداد دینے کے انتظام ہو رہے ہیں بلکہ اس رنگ میں کہ گولہ باری سے ہندوستان کو کس طرح محفوظ رکھا جائے۔ آج کلکتہ، بمبئی، کراچی میں اور سمندر کے قریب واقع دوسرے شہروں میں بھی بچاؤ کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ رات کو اندھیرے کئے جاتے ہیں، ہوائی حصّوں سے بچاؤ کے لئے لوگوں کو تیار کیا جاتا ہے اور یہ خطرہ لگ رہا ہے کہ دُشمن کے جہاز ہندوستان کے شہروں پر گولہ باری کریں گے اور ان کو تباہ کر دیں گے۔ اب ایسے جہاز تیار ہو چکے ہیں کہ جو سَو سَو ٹن یعنی قریباً تین ہزار من تک وزنی بم لے کر بمباری کرتے ہیں اور ایک ہی پرواز میں دو دو اور اڑھائی اڑھائی ہزار میل جا کر حملہ کر کے واپس آ جاتے ہیں اور ایسے سمندری جہاز تیار کئے گئے ہیں جو ہوائی جہازوں کو لاد کر دوسرے مُلکوں کے قریب لے آتے ہیں۔ جہاں سے اُڑ کر وہ ان مُلکوں پر آسانی سے حملے کر کے واپس ان سمندری جہازوں میں آ اُترتے ہیں۔ ہندوستان ان سامانوں کے ہوتے ہوئے ابی سینیا کی زد میں ہے۔ روس کے علاقوں اور چین کے جاپانی علاقوں کی زد میں ہے روسی سرحد انگریزی سرحد سے پانچ چھ سَو میل ہے۔ حبشہ کی دو ہزار میل کے قریب ہے اور بعض علاقوں میں تو ہندوستان کی سرحد برطانیہ کے مخالف مُلکوں سے سَو ڈیڑھ سَو میل ہی ہے۔ گو اب تک روس، اٹلی اور جاپان نے جرمنی کے ساتھ جنگ میں شامل ہونے کا فیصلہ نہیں کیا لیکن خطرہ ضرور ہے کہ کسی وقت وہ بھی جنگ میں شامل ہو جائیں۔

ان حالات میں یہ امر بعید نہیں کہ معصوم ہندوستان پر بھی گولہ باری کی جائے اور اس کے نہتّے افراد کو اس لئے تباہ کر دیا جائے کہ وہ انگریزوں کی حکومت میں کیوں ہیں۔ بمباری سے تباہی کا خطرہ انگلستان، فرانس اور ان کے مقابلہ میں جرمنی اور اگر اٹلی اور روس لڑائی میں شامل ہو جائیں تو ان کو بھی ہے۔ پولینڈ، ترکی اور مصر کو بھی ہے۔ اگر ان کے افراد یہ لذت بھی محسوس کرتے ہیں کہ اگر دُشمن ہم کو ماریں گے تو ہم بھی ان کو ماریں گے لیکن ہندوستانی کیا کہہ سکتے ہیں؟ ان کی اپنی کوئی فوج ہے نہ سامان ان کے پاس ہے۔ سوائے اس کے کہ جو انگریز ان کے لئے مہیّا کر دیں اور پھر وہ سامان بھی انگریز افسروں کے قبضہ میں ہوگا۔ ہندوستانیوں کا نہ جنگ کرنے میں کوئی دخل ہے نہ صلح کرنے میں۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ فتح کی صورت میں ہندوستان کو کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگر خدانخواستہ انگریزوں کو شکست ہو جائے تو نقصان میں ہندوستان کو ضرور حصّہ دار بننا پڑے گا۔ گویا گو ہندوستانی فتح کے حصّہ سے محروم ہیں مگر تکلیف میں شامل ہیں۔ لڑائی یا صلح نہ ان کے ہاتھ میں ہے اور نہ اس میں ان کا کوئی دخل ہے۔ پھر فتح کے انعامات میں بھی ان کا کوئی حصّہ نہیں لیکن شکست کے نقصان میں ضرور ہے۔ پچھلی جنگ میں کم سے کم چار پانچ لاکھ مسلمان شریک ہوئے ہوں گے ان میں سے پچاس ساٹھ ہزار مارے گئے ہوں گے اور قریباً لاکھ ڈیڑھ لاکھ زخمی ہوئے ہوں گے لیکن بعد میں کیا ہوا اور مسلمانوں کو کیا صلہ مِلا۔ یہ کہ ترکی کے حصّے بخرے کر دیئے گئے اور جن مسلمانوں نے اپنے خون بہائے تھے وہ دیکھتے کے دیکھتے اور روتے کے روتے رہ گئے۔ اسی طرح عرب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ تو فتوحات کی صورت میں تو ہندوستانیوں کو کوئی فائدہ نہیں لیکن شکست کی صورت میں نقصان ضرور ہے۔ ان کے اپنے بچاؤ کی کوئی صورت ان کے اختیار میں نہیں بلکہ انگریزی حکومت کے اختیار میں ہے۔ نہ صلح ان کے اختیار میں ہے اور نہ لڑائی مگر چونکہ انگریزوں کا بہت بڑا اقتدار ہندوستان کی وجہ سے ہی ہے اِس لئے یہ بات واضح ہے کہ جہاں تک ان کا زور چلے گا انگریز ہندوستان کو تباہ ہونے یا دُشمن کے قبضہ میں جانے سے بچائیں گے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کسی بات میں ہندوستان کی رائے کو دخل نہیں۔ وہ محض ایک ہتھیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک تیر ہے جسے جدھر چاہے چلا دیا جائے۔ وہ دماغ نہیں کہ خود

کچھ سوچ سکے اور مشورہ دے سکے۔ ان حالات میں اسے ذہنی لذت بھی کوئی حاصل نہیں ہوسکتی۔ فرانس اگر جرمنی پر بمباری کرے تو جرمنی بھی اس کا انتقام لے سکے گا اور کہے گا کہ ہم نے بھی خوب خبر لی اور اگر پولینڈ پر جرمنی حملہ کرے تو وہ بھی آگے سے جواب دے کہ ذہنی طور پر ضرور لذّت اندوز ہوسکتے ہیں کہ ہم نے بھی ان کو خوب سزا دی ہے مگر ہندوستان پر اگر حملہ ہو تو وہ کس مُنہ سے کہہ سکتا ہے کہ مَیں بھی بدلہ لیتا ہوں جب کہ اس کے پاس نہ کوئی بم ہے نہ طیارہ، نہ گولی اور نہ بارود۔ اس صورت میں ایک ہندوستانی تو یہی کہتا ہؤا گاؤں سے بھاگے گا کہ ہائے میری قسمت اگر ہندوستان کی طرف سے بمباری کا جواب بھی دیا جائے تو بھی ہندوستانی فخر نہیں کر سکتے کہ ہم نے بھی خوب خبر لی کیونکہ وہ تو نوکر ہیں اپنی تنخواہ کے لئے یا زیادہ سے زیادہ جان بچانے کے لئے لڑتے ہیں ملک میں قوم کے وفادار اور افتخار کے لئے نہیں مگر اپنی اس بے بسی کے باوجود کوئی عقلمند ہندوستانی یہ نہیں کہہ سکتا کہ لڑائی انگریز کی ہے ہماری نہیں۔ اگر کوئی یہ کہے تو وہ احمق ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ دشمن سے کہتا ہے کہ آ مجھے مار۔ مَیں تو حیران ہوں کہ ہندوستان کے بعض عقلمند اس وقت ایسی بیوقوفی کر رہے ہیں کہ ابھی سوچ رہے ہیں کہ ہم انگریزوں کا ساتھ دیں یا نہ دیں۔ اگر وہ اپنے آپ کو انگریزوں کا دُشمن بھی خیال کرتے ہیں تب بھی ایسا خیال کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ دو شخص جو ایک دوسرے کے دُشمن ہوں ایک چھت کے نیچے ہوں کوئی بیرونی دُشمن چھت پر بمباری کر رہا ہو اور وہ سوچیں کہ ہم اس وقت ایک دوسرے کی مدد کریں یا نہ کریں ایسا سوچنا حماقت ہے کیونکہ اگر وہ چھت گری تو دونوں مَریں گے۔

انگریزوں کے ساتھ ہندوستان کا تعلق ایسا گہرا ہے کہ خواہ کوئی ہندوستانی ان کا کتنا ہی دُشمن کیوں نہ ہو اگر جنگ کے وقت یہ خیال کرتا ہے کہ میرے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ مَیں اس وقت انگریزوں کا ساتھ نہ دوں تو میرے نزدیک اس سے زیادہ احمق کوئی نہیں ہوسکتا۔ انگریزوں کے متعلق خواہ بعض ہندوستانیوں کے جذبات معاندانہ ہوں خواہ غیر جانبدارانہ اور خواہ ہمدردانہ اگر وہ عقلمندی سے کام لیں تو انہیں انگریزوں کا ساتھ دینا پڑے گا۔ غرض خواہ ہم ان کے دُشمن ہوں خواہ ہمدرد اور خواہ غیر جانبدار اگر ہم عقلمند ہیں تو ہم مجبور ہیں کہ ان کا ساتھ دیں ورنہ زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلے ہمارے حاکم انگریز ہیں اور پھر جرمن یا روسی ہو جائیں گے

اور ہر عقلمند انسان بلکہ کمزور عقل کا انسان بھی اگر سوچ سمجھ سے کام لے تو تسلیم کرے گا کہ ہر تازہ دم حکومت زیادہ ظلم کرتی ہے۔ انگریزوں کو خواہ کوئی کتنا بُرا کہے اگرچہ میرا خیال یہی ہے کہ گوان کے اندر ایمان والی دیانت تو نہیں مگر یورپ کی کوئی اور قوم ایسی نہیں جو اِن کی طرح رعایا کا خیال رکھتی ہو۔ بیشک وہ بھی فائدہ اُٹھاتے ہیں اور اپنے فائدہ کے لئے یہاں حکومت کرتے ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ انگریز یہاں اِس لئے آئے ہیں کہ ہندوستان کی خدمت کریں وہ میرے نزدیک احمق ہے یا جھوٹا ہے مگر پھر بھی جو دوسرے غیر ملکوں میں اپنے فائدہ کے لئے گئے ہیں ان سب سے انگریز بہتر ہیں۔ دوسری قومیں محکوموں کی اگر کھال اُتارتی ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ کھال رہنے دو۔ وہ اگر لباس اُتروا لیتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ننگا نہ کرو۔ دوسری اگر روزی چھین لیتی ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ان کو بھی کھانے دو۔ اگر یورپ کا اقتدار ایک بَلا ہے تو انگریز ادنیٰ درجہ کی بَلا ہیں۔ اگر دوسری قوموں میں سے انتخاب کرنا پڑے تو مَیں کہوں گا کہ اگر عقلمند ہو تو انگریزوں کو منتخب کرو۔

امریکہ کی نسبت تو مَیں کہہ نہیں سکتا کیونکہ وہ بہت دُور ہے اور ہمیں اس کا پورا تجربہ کرنے کا موقع نہیں مِلا۔ اِس کے سوا باقی سب ممالک یعنی فرانس، پرتگال، اٹلی وغیرہ سے انگریزوں کا سلوک محکوموں سے زیادہ اچھا ہے۔ وہ ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ ممکن ہوتا ہے کہ کچھ مدت کے بعد ان کے محکوم آزادی کی طرف قدم اُٹھا سکیں لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ انگریز بُرے ہیں تب بھی کوئی عقلمند یہ خواہش نہیں کر سکتا کہ ان کی حکومت بدل جائے جب کوئی حکومت لمبی ہو جاتی ہے تو طبعًا اس میں کمزوری آ جاتی ہے۔ ان کو ہندوستان پر حکومت کرتے ہوئے سَو سال کا عرصہ گزر چُکا ہے اور اب ان کی حکومت کا وہ رنگ نہیں رہا جو پہلے تھا۔ وہ اب زیادہ عرصہ تک پُرانے طریق پر حکومت نہیں کر سکتے اور مجبور ہیں کہ ۵۰، ۶۰ سال کے بعد ہندوستان کو آزادی دے دیں۔ یہ ایک لمبی اور علمی بحث ہے اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالنے کا یہ وقت نہیں لیکن تاریخ سے یہی پتہ لگتا ہے کہ جب کوئی قوم کسی مُلک کو فتح کرتی ہے تو یا تو وہ اسی میں آباد ہو کر اس کا حصّہ بن جاتی ہے یا پھر کچھ عرصہ بعد اپنی حکومت کھو بیٹھتی ہے یا اس مُلک کو آزاد کر دیتی ہے۔ انگریز سو سال سے اس مُلک پر حکومت کر رہے ہیں اور اب ہندوستانیوں کو انہوں نے

بہت سے حقوق دے دیئے ہیں۔ ہندوستانی بھی حقوق طلبی کر رہے ہیں۔ اس وقت انارکسٹوں اور انگریزوں میں ایک دوڑ جاری ہے اگر تو اس وقت سے پہلے کہ ہندوستانیوں کے دلوں میں انگریزوں کی طرف سے نفرت پیدا ہو جائے۔ ہندوستان کو آزادی مل گئی تو آزادی کے بعد بھی ہندوستان انگریزوں کا دوست رہے گا لیکن اگر یہ وقت آنے سے پہلے انارکسٹوں نے غلبہ حاصل کر لیا تو آزادی ملے گی تو پھر بھی مگر اس صورت میں دونوں مُلکوں کے تعلقات اچھے نہیں رہیں گے۔ بہرحال اب ہندوستان کا قدم آزادی کی طرف ہی اُٹھے گا۔ سَو سال کی حکومت بڑی لمبی حکومت ہے اور یہ پرانے زمانہ کی ہزار سال کی حکومت کے برابر ہے۔ اب اگر ہندوستان کی حکومت میں کوئی تغیر ہوگا تو ہندوستان کی بہتری کے لئے ہی ہوگا اور اسے حقوق ملتے جائیں گے لیکن اگر یہ حکومت بدل جائے تو جو نئی قوم آئے گی وہ پہلے تو کچھ عرصہ اس نشہ میں رہے گی کہ ہم نے یہ مُلک فتح کیا ہے پھر کچھ عرصہ اس غصّہ میں رہے گی کہ اس مُلک نے ہم سے لڑائی کی تھی اور اس طرح پہلے تیس چالیس سال تک وہ خوب جونک کی طرح خون چوسے گی اور کہے گی کہ اچھا اب تمہاری خبر خوب لیتے ہیں اور تمہیں بتاتے ہیں کہ انگریزوں سے مل کر ہمارے ساتھ لڑائی کرنے کا انجام کیا ہے اس کے جو مرد لڑائیوں میں مارے جائیں گے ان کی عورتیں اور دوسرے رشتہ داروں کے دلوں میں چونکہ غصّہ ہوگا اس لئے وہ اپنی قوم کو خوب بھڑکائیں گے کہ ہندوستانیوں کو پیس دو۔ اُنہوں نے کیوں ہم سے لڑائی کی اور وہ یہ خیال بھی نہیں کریں گے کہ یہ بے چارے تو ماتحت تھے ان کا کیا اختیار تھا بلکہ یہی کہیں گے کہ انہوں نے کیوں انگریزوں کا ساتھ دیا؟ وہ ہندوستان کی مجبوریوں کا کوئی خیال نہیں رکھیں گے اور ان کے اس غصّہ کی وجہ سے ہندوستان پر جو تباہی اور بربادی نازل ہوگی اس کا تصور کر کے بھی ایک عقلمند کانپ اُٹھتا ہے اور مَیں تو حیران ہوں کہ کانگرس کے لیڈر یہ کس طرح سوچ رہے ہیں کہ انگریزوں سے تعاون کریں یا نہ کریں۔ حالات تو ایسے ہیں کہ وہ خواہ انگریزوں کو اچھا سمجھیں اور خواہ بدترین خیال کریں دونوں صورتوں میں ان کے لئے تعاون کرنا ضروری ہے۔ اگر ہندوستان ان سے تعاون نہیں کرے گا تو خطرناک مصائب میں گرفتار ہو جائے گا اور نسلوں تک اسے رونا پڑے گا۔

تو اس وقت بہر حال ہندوستان بھی خطرہ کے مقام پر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان صاحبِ اقتدار لوگوں کو سمجھ نہ دے جو لڑائی کرا سکتے یا اسے روک سکتے ہیں۔ ہمارے لئے سخت مُشکلات در پیش ہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ لڑائی کی ذمہ داری کس پر ہے۔ ہٹلر پر ہے یا پولینڈ پر یا انگریزوں پر۔ ہم بہت دُور بیٹھے ہیں اور اصل حالات ہم تک نہیں پہنچتے لیکن جہاں تک پہنچتے ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انگریز اور ان کے حلیف حق پر ہیں۔ اصل حالات اور واقعات تاریخ بعد میں بیان کرے گی لیکن جب تک وہ ظاہر نہ ہوں ہر قوم کا یہ حق ہے کہ اس کے متعلق حُسنِ ظنی سے کام لیا جائے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی یہی ہدایت فرمائی ہے کہ حُسنِ ظنی سے کام لینا چاہئے۔ ایک شخص کے متعلق جب ایک صحابی نے بدظنی سے کام لیا تو آپ نے اُسے یہی فرمایا کہ هَلْ شَقَقْتَ قَلْبَهٗ[1] کیا تُو نے اس کا دل چیر کر دیکھا ہے؟ تو ہر قوم کے متعلق پہلا حق یہی ہے کہ اس کے متعلق حسنِ ظنی سے کام لیا جائے لیکن جو کچھ تجربہ ہوا ہے اس نے جرمنی اور اٹلی کے متعلق حسنِ ظنی کا حق ہمارے دلوں سے اُڑا دیا ہے۔ اٹلی نے جو کچھ البانیہ کے ساتھ کیا یا جرمنی نے چیکوسلواکیہ سے کیا اُسے دیکھتے ہوئے ہم مجبور ہیں کہ انگریزوں کی بات پر ان کی نسبت زیادہ اعتبار کریں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جو قوم ایک بار غلطی کرے ضروری نہیں کہ وہ دوسری بار بھی غلطی کرے۔ اس لئے ہم کوئی قطعی رائے تا حال ظاہر نہیں کر سکتے مگر اب بھی یہی اُمید رکھتے ہیں کہ شائد اللہ تعالیٰ ان کے دل میں رحم پیدا کر دے اور وہ ایسا طریق اختیار کر لیں کہ امن قائم رہے اور یا انگریزوں کے دل میں ایسی کیفیت پیدا کر دے کہ وہ ایسا رویّہ اختیار کریں جس سے انصاف بھی قائم رہے اور امن بھی لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی مشیّت یہی ہو کہ لڑائی ہو تو ہمیں دُعا کرنی چاہئے کہ اس کی مضرتوں سے بِالخصوص ہمیں بچائے اور ان لوگوں کو بھی جن کا وجود دینی و دنیوی لحاظ سے مُفید ہو۔ یہ تو خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ بم برسیں، گولیاں چلیں اور نقصان بالکل نہ ہو اور کوئی آدمی بھی نہ مَرے مگر نقصان بھی ایک نسبتی امر ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شدید بم باری کی وجہ سے بھی کم سے کم نقصان ہو یا زیادہ نقصان بدکاروں کا ہو۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہماری اس دُعا کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو کہ جنگ ٹل جائے تو یہ ضرور ہو کہ شدید نقصان شریروں کو زیادہ پہنچے۔ آجکل مادیات کا زور ہونے

کی وجہ سے لوگوں کے دلوں سے دُعاؤں پر ایمان جاتا رہا ہے بلکہ مَیں دیکھتا ہوں کہ بعض احمدیوں کی دُعائیں بھی رسمی ہوتی ہیں۔ دوسرے احمدی دُعا کرتے ہیں اس لئے وہ بھی شریک ہو جاتے ہیں مگر دُعا قبول وہی ہوتی ہے جس کے ساتھ یقین ہو اور یہ مقام عارف کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ مومن کو تو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی نظر آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ تھے چلتے چلتے جب ان کا گھوڑا اُڑ کتا تو وہ سمجھ لیتے کہ مَیں نے کوئی گناہ کیا ہے۔ انسان کا نفس خدا تعالیٰ کی سواری کے لئے بمنزلہ گھوڑے کے ہے اور جب وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو میرا گھوڑا بھی میری نافرمانی کرتا ہے تو عارف ہر چیز میں خدا تعالیٰ کا نشان دیکھتا ہے۔ مگر نادان بڑے بڑے نشانات سے بھی یونہی گزر جاتا ہے لیکن حق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک مقام ایسا ہے کہ اس میں وہ ہر کافر و مومن کی دُعا سُنتا ہے اور اس میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ قرآن کریم میں یہ دونوں مضمون علیحدہ علیحدہ بیان کئے گئے ہیں۔ ایک جگہ فرماتا ہے اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ [۲] اور دوسری جگہ فرماتا ہے کہ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ [۳] کئی نادان اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں اختلاف ہے۔ ایک جگہ تو فرماتا ہے کہ مَیں مضطر کی دُعا سُنتا ہوں اور ایک جگہ یہ کہ مَیں ہر پُکارنے والے کی دُعا سُنتا ہوں لیکن یہ اعتراض محض عدم تدبّر کی وجہ سے ہے۔ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ سورۂ بقرہ میں ہے۔ وہاں رمضان کا ذکر ہے اور اس سے پہلے یہ سوال درج ہے کہ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ یعنی جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں وہ بے قرار اور بے تاب ہو کر آئیں اور دریافت کریں کہ ہمارا خدا کہاں ہے تو ان سے کہہ دو کہ مَیں قریب ہوں اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ میں اس پُکارنے والے کی دُعا سُنتا ہوں جو بے قرار اور بے تاب ہو کر پاگل کی طرح چیختا اور دریافت کرتا ہے کہ میرا خدا کہاں ہے؟ تو یہاں الدَّاعِ سے مراد لقاء الٰہی کی دُعا کرنے والا ہے۔ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ فرمایا الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [۴] یعنی جو لوگ ہمارے ملنے کے لئے کوشش کرتے ہیں ہمیں اپنی ذات کی قسم ہم انہیں کئی رستے اپنے ملنے کے دکھا دیتے ہیں۔ اگر دل میں جلن،

سوزش، تڑپ اور بے تابی پیدا ہو جائے تو ایسا انسان اللہ تعالیٰ کو پانے سے کبھی محروم نہیں رہ سکتا۔ تو یہاں اس دُعا کا ذکر ہے یہ مومن کے لئے جو پاگلوں کی طرح بیتاب ہو کر اپنے خدا کو پُکارتا ہے عشق کی کیفیت ہے جو محبوب کے لئے بیتاب کر دیتا ہے۔ مجھے یاد ہے یہاں ایک چوہڑے کو چوہڑی سے عشق تھا وہ رات دن چلّاتا رہتا کہ اے میرے خدا تو مجھے اپنی فلاں محبوب سے ملا دے مَیں نے اُس کی آواز کوئی بار تہجد کے وقت گاؤں کے دوسرے سرے سے سُنا ہے۔ تو عشق میں انسان بے تاب ہو جاتا ہے اور یہ عشق جب خدا تعالیٰ کے متعلق ہو اور انسان بیتاب ہو کر کہے کہ کہاں ہے میرا خدا؟ تو جس وقت یہ ربودگی کی حالت اور عشق کی غشی اس پر پیدا ہو اور وہ بے تاب و بیقرار ہو کر تہذیب کے تمام دستور اور قواعد کو بھول کر پاگلوں کی طرح آواز دے کہ کہاں ہے میرا خدا؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ادھر سے مَیں بھی چلّانے لگتا ہوں کہ مَیں قریب ہوں۔ جیسے بچہ بعض اوقات سوتے ہوئے یہ خیال کر کے کہ شاید میری ماں مجھ سے جُدا ہو گئی ہے یا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر اماں اماں چلّا اُٹھتا ہے تو ماں جھٹ آواز دیتی ہے کہ میرے بچے! مَیں تیرے ساتھ لیٹی ہوں۔ اسی طرح جب بندہ بے تاب ہو کر خدا تعالیٰ کو پُکارتا ہے اور سوال کرتا ہے کہ ہمارا خدا کہاں ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے انتظار اور شک میں نہیں چھوڑتا بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی طرف سے گارنٹی دیتا اور کہتا ہے کہ تم میری طرف سے مختار ہو تم میری طرف سے فوراً کہہ دو کہ مَیں پاس ہی ہوں گھبراؤ نہیں۔ آگے فرماتا ہے۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اس قسم کے پُکارنے والے کی آواز کو مَیں خود بھی سُنتا ہوں اور صرف محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ذریعہ ہی جواب نہیں دیتا بلکہ خود بھی اس کا جواب دیتا ہوں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ذریعہ فوری جواب اس لئے دیا کہ اس کی تڑپ بغیر جواب کے نہ رہے مگر مَیں جواب صرف محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ذریعہ ہی نہیں دیتا بلکہ خود بھی دیتا ہوں۔ یہ تو اس آیت کے معنی ہیں دوسری آیت اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ سورۂ نمل میں ہے۔ وہاں دیکھو پہلے بارشوں وغیرہ کا ذکر ہے اور عذاب الٰہی کا اور اس کا یہ مطلب ہے کہ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، کافر، مومن جو بھی مضطر ہو کر دُعا مانگے گا اور اس کا اضطرار کمال کو پہنچ جائے گا تو میں اس کی دعا کو بھی سنوں گا مگر یہاں قاعدہ نہیں ہے

اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ میں قاعدہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی دُعا ضرور سنی جاتی ہے مگر اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ کے یہ معنی ہیں کہ مضطر کی دُعا بھی سنی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ ہر مضطر کی ہر دُعا ضرور سُنی جاتی ہے۔ یہ دنیوی امور کے متعلق ہے جو کبھی سُنی جاتی ہے اور کبھی نہیں مگر یہ خیال صحیح نہیں کہ غیر مومن کی دُعا اللہ تعالیٰ سُنتا ہی نہیں۔ یہ بات قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اس مسئلہ پر مَیں نے اس لئے زور دیا ہے کہ پچھلے دنوں بارش کی قلّت کے احساس پر قادیان میں دُعائیں کی گئیں۔ احمدیوں نے بھی نماز استسقاء پڑھی اور غیر احمدیوں نے بھی۔ ہندوؤں نے بھی اپنے رنگ میں کیں اور مَیں نے دیکھا کہ اس بارہ میں بھی ایک قسم کا تقابل پیدا ہو گیا تھا۔ غیر احمدی اور ہندو چاہتے تھے کہ احمدیوں کی دُعا نہ سُنی جائے اور احمدی چاہتے تھے کہ ان کی نہ سُنی جائے۔ مَیں حیران ہوں کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کو ٹکڑے ٹکڑے کیوں کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ مَیں ہر مضطر کی دُعا سُنتا ہوں۔ ہوسکتا ہے ایک وقت غیر احمدی زیادہ مضطر ہوں، ایک جگہ احمدی تاجر زیادہ ہوں وہ آ کر دُعا کریں گے تو دل میں ممکن ہے ان کے یہ ہو کہ دس دن اگر اور بارش نہ ہو تو چار آنہ من نرخ اَور بڑھ جائے گا اور احرار میں زمیندار زیادہ ہوں۔ ان کی فصلیں سوکھ رہی ہوں دُعا کے وقت ان کی تو چیخیں نکل رہی ہوں گی۔ غرض ہوسکتا ہے کہ احمدی تاجر تو سمجھتے ہوں کہ اگر دس دن اور بارش نہ ہو تو چار آنہ من کا منافع ہو گا لیکن زمیندار دیکھ رہے ہوں کہ اگر دس دن اور بارش نہ ہوئی تو چار من کے بجائے ایک من فی ایکڑ فصل رہ جائے گی اور اس لئے ان میں اضطرار زیادہ ہو۔ اب اس قاعدہ کے مطابق ان کی دُعا زیادہ سُنی جائے گی۔ کیونکہ ان کے دل میں اضطرار اور تڑپ زیادہ ہے تو ایسا مقابلہ خدا تعالیٰ کی رحمانیت کو تقسیم کرنے والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اور اس کی صفات غیر محدود طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ مواقع خشیت اللہ پیدا کرنے کے ہوتے ہیں نہ مقابلہ کے۔ مقابلہ دینی معاملات میں ہوتا ہے۔ اگر کسی دینی معاملہ میں ہم بھی دُعا کریں اور احرار بھی تو اللہ تعالیٰ ان کی دُعاؤں کو ان کے مُنہ پر مار دے گا اور ہماری قبول کرلے گا کیونکہ ہم تو اس کے نام کی بُلندی کے لئے کھڑے ہیں اور وہ شیطان کے نام کی بلندی کے لئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مولویوں کو مخاطب کر کے لکھا ہے کہ تم اگر میرے ہلاک ہونے

کے لئے سب مل کر دُعائیں کرو اور مقدس مقامات پر جا جا کر بیشک کرو لیکن یاد رکھو کہ خواہ تمہارے ناک بھی رگڑے جائیں اللہ تعالیٰ پھر بھی تمہاری دُعائیں قبول نہ کرے گا۔[۵] اِسی طرح آج بھی اگر احمدیت یا دین کا سوال ہو تو ہمارے سوا دوسری اقوام کی دُعائیں ہرگز نہ سُنی جائیں گی۔ اس کے مقابلہ میں اگر ہم دُعا کریں اور ہمارے آنسو بھی نہ بہیں تو اللہ تعالیٰ ہماری دُعائیں ضرور سُنے گا۔ اس لئے کہ ہم خدا تعالیٰ کے نام کی بلندی کے لئے کھڑے ہیں مگر وہ شیطان کے لئے لیکن جہاں کوئی دینی معاملہ نہ ہو بلکہ ایک عام عذاب دُنیا پر نازل ہو رہا ہو وہاں ہر مضطر کی دُعا سُنی جائے گی۔ ہاں اگر اضطرار یکساں ہو تو جہاں اضطرار کے ساتھ ایمان بھی مل جائے گا وہاں دُعا زیادہ قبول ہوگی۔

فرض کرو اضطرار کے سَو نمبر ہیں اور تمہارے دُشمنوں کو وہ سَو ہی نمبر حاصل ہیں اور تمہارے پاس نوّے مگر تمہارے پاس ایمان ہے اور ان کے پاس نہیں تو تمہارے ایمان کے سَو ساتھ مل کر ایک سو نوّے ہو جائیں گے اور ان کے سَو ہی رہیں گے۔ اس لئے تمہاری زیادہ سُنی جائے گی لیکن فرض کرو کسی کے ایمان کے نمبر ستّر تھے اور بیس اضطرار کے تھے۔ کل نوّے ہوئے۔ گویا اس کی کامیابی کے نوّے وجوہات ہیں لیکن اس کے بالمقابل ایک ہندو اور غیر احمدی پچانوے وجوہ لے کر خدا تعالیٰ کے سامنے جاتا ہے تو چونکہ اس کی تباہی کے خطرات زیادہ ہیں اور اس میں شدید اضطرار پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دُعا کو زیادہ قبول کرے گا۔ پس ایسے معاملات میں خشیت اللہ کو غالب آنے دینا چاہیئے۔ تقابل کا یہ موقع نہیں ہوتا۔ یہ کوئی کبڈی نہیں۔ ایسے عذاب کے موقع پر کسی کو کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسرے کی دُعا نہ سُنے۔ مقابلہ دین کے معاملہ میں ہوتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ غیر مومنوں کی دُعا کو نہیں سُنتا۔ کیونکہ وہ دین کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دُعا کی تھی کہ اے اللہ! ان میں سے کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑ۔[۶] اگر ان کی اولادیں زندہ رہیں تو وہ بھی تجھے گالیاں دینے والی ہوں گی۔ تو مقابلہ ایسی دُعاؤں میں ہوتا ہے مگر دُنیوی حاجات میں اللہ تعالیٰ دونوں کی دُعا سُن لیتا ہے اور اضطرار کے ساتھ ایمان کے بھی نمبر دیتا ہے اور جس کے نمبر زیادہ ہو جائیں اُسے غلبہ دے دیتا ہے۔

مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سُنا ہؤا ہے کسی تفسیر کی روایت ہوگی۔ بچپن میں آپ ہمیں کہانیاں سُنایا کرتے تھے جن میں سے ایک یہ تھی کہ جب حضرت نوحؑ کا طوفان آیا تو اس وقت ایک چڑیا گھونسلے کا رستہ بھول گئی۔ وہاں اس کے چھوٹے چھوٹے بچے جن کو پیاس لگی ہوئی تھی وہ پانی پینے کے لئے مُنہ کھولتے تھے مگر پانی نیچا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ پانی اَور اونچا کرو تا ان کے مُنہ میں پانی پہنچ جائے۔ ساری دُنیا کافر تھی اور اللہ تعالیٰ نے سب کو تباہ کر دیا تا ان بچوں کو پانی مل سکے۔ یہ موازنہ ہے اس بات کا کہ جب دینی مقابلہ ہو تو خدا تعالیٰ ساری دُنیا کی بھی اتنی قیمت نہیں سمجھتا جتنی چڑیا کے بچوں کی مگر جب دنیوی معاملہ ہو تو وہ کہتا ہے کہ یہ بھی میرے بندے ہیں اور وہ بھی۔ قرآن کریم میں اس مضمون کو اَور جگہ بھی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ [2] یعنی اے مسلمانو! تم یہ نہ سمجھو کہ ہم تمہاری ہی مدد کریں گے بلکہ دُنیوی معاملہ میں ان کی بھی کریں گے جو مومن نہیں ہیں تو ایسے امور میں بہت خشیت اللہ پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے مقابلہ کی نہیں۔ نماز استسقاء احمدیوں نے ادا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور کچھ بارش ہوگئی۔ اس کے بعد دوسروں نے بھی ضد کی وجہ سے نماز پڑھنا چاہی مگر چونکہ انہوں نے یہ کہا کہ ہم احمدیوں کے مقابلہ کے لئے کرتے ہیں ان کی نہ سُنی گئی۔ اگر وہ ایسا نہ کہتے تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کی دُعا بھی سُن لیتا۔ مجھے بعض احمدیوں کی طرف سے بھی ایسے خطوط ملے کہ غیر احمدیوں نے دُعا کی ہے اور ہندوؤں نے بھی جُگ وغیرہ کیا ہے دُعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دُعا نہ سُنے۔ مجھے اس سے تکلیف ہوئی اور جب مجھے غیر احمدیوں اور ہندوؤں کی نسبت یہ معلوم ہؤا کہ وہ کہتے ہیں کہ اب احمدی تو دُعا کر چکے اب ہم دُعا کریں گے اور ہماری دُعاؤں سے بارش ہوگی تو مجھے اس سے بھی تکلیف ہوئی اور مَیں نے دل میں کہا کہ افسوس! یہ لوگ خدا تعالیٰ کی دینی نعمت سے تو محروم تھے ہی مگر دُنیوی نعمتوں کا دروازہ کھلا تھا جسے انہوں نے اس طرح بند کر لیا۔ جب مجھے اس کی اطلاع ہوئی تو مَیں نے کہا کہ چونکہ انہوں نے مقابلہ کا رنگ اختیار کیا ہے اس لئے اب ان کی دُعا نہیں سُنی جائے گی اور تین روز تک تو بارش نہیں ہوگی۔ جب میں واپس آیا تو رستہ میں مجھے مولوی ابو العطاء صاحب ملے مَیں نے دریافت کیا کہ احرار نے ۲۶ر تاریخ کو دُعا کی تھی اب تک بارش تو نہیں ہوئی

اُنہوں نے کہا نہیں ہوئی۔ مَیں نے کہا خیر اب تین دن گزر گئے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آپ کا انتظار تھا اب ہو جائے گی۔ مَیں نے اسی وقت آسمان کی طرف نگاہ کر کے دُعا کی کہ الٰہی تیرا بارش کا قانون تو عام ہے۔ وہ خاص بندوں سے تعلق نہیں رکھتا مگر بعض اوقات دل میں اُمید پیدا ہو جاتی ہے جو اگر پوری نہ ہو تو بعض اوقات ابتلا پیدا ہوتا ہے اور اگر پوری ہو جائے تو تقویت ایمان کا موجب ہوتا ہے اور مَیں نے دُعا کی کہ ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر بارش ہو۔ رات کو مَیں نے انتظار کیا۔ صبح دس بجے کے قریب میں اندر بیٹھا تھا کہ روشندانوں پر چھینٹے پڑنے کی آواز آئی۔ بالکل معمولی ترشح [8] تھا۔ مَیں نے دُعا کی کہ خدایا! ایسی بارش تو کافی نہیں۔ مخلوق کو تو ایسی بارش کی ضرورت ہے جس سے لوگ سیراب ہوں اس کے کچھ عرصہ بعد مَیں باہر نکلا کہ باہر جو دفتر کے آدمی صفائی کر رہے تھے انہیں دیکھوں کہ کام ختم کر چکے یا نہیں۔ مَیں نے دُور ایک چھوٹی سی بدلی دیکھی اور دُعا کی کہ خدایا! اِسے بڑھا دے اور پھیلا دے اور پندرہ منٹ کے بعد مَیں نے دیکھا کہ بارش شروع ہوگئی اور پانی بہنے لگا۔ تو یہ ایک نشان ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مگر مَیں نے اس سے بڑھ کر بھی نشان مشاہدہ کئے ہیں۔ ایک دفعہ جب مَیں ابھی چھوٹا تھا اور پیچش کی شکایت تھی۔ بارش زور سے ہو رہی تھی اور مجھے اس قدر بھلی معلوم ہو رہی تھی کہ مَیں کھڑکی میں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت مجھے سخت حاجت پاخانہ کی محسوس ہوئی۔ چونکہ اسی بارش سے لُطف اُٹھا رہا تھا مَیں نے سمجھا کہ مَیں پاخانہ جاؤں گا تو چونکہ ایسی بارش تھوڑی دیر ہوتی ہے میرے آنے تک یہ بارش ہو جائے گی۔ مَیں نے اپنی عمر کے لحاظ سے دُعا کی کہ الٰہی اس وقت یہ بارش بند ہو جائے اور جب مَیں پاخانہ سے واپس آؤں تو پھر شروع ہو جائے۔ یہ دُعا کر کے مَیں پاخانہ گیا اور مَیں نے دیکھا کہ بارش ہلکی ہوگئی جب فارغ ہو کر واپس لوٹا اور آ کر اس کھڑکی میں کھڑا ہو گیا تو معاً بارش پہلے کی طرح تیزی سے برسنے لگی اور مَیں اس نظارہ سے دیر تک لُطف اُٹھاتا رہا اور اب یہ لطف اور بھی زیادہ تھا کیونکہ مَیں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُعا کی قبولیت کا ایک ایمان بڑھانے والا نشان دیکھا تھا۔ بیشک ہمارے دُشمن ان باتوں پر ہنستے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ پاگل ہیں ایسی معمولی معمولی باتوں کو نشان قرار دیتے ہیں اور دھوکا خوردہ ہیں مگر ایک دو باتیں ایسی ہوں تو کوئی دھوکا کہہ سکتا ہے لیکن جب سینکڑوں ہوں

تو اسے کس طرح دھوکا کہا جاسکتا ہے مگر دنیوی معاملات میں مقابلہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خشیتُ اللہ پیدا کرنا چاہئے ہاں دینی امور ہوں تو دشمن خواہ کتنا مقابلہ کریں اور دُعائیں کریں ان کے ناک بھی رگڑے جائیں تو بھی ان کی نہیں سُنی جائے گی۔ دُنیوی معاملات میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور ہم بھی۔ اگر اضطرار ان میں زیادہ ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی بھی سُن لے گا۔ مَیں نے جو واقعات بیان کئے ہیں یہ دُعا کا دوسرا مسئلہ ہے۔ یہ تو ایسا وقت ہوتا ہے جب اپنے رب سے ناز کرنے کو دل چاہتا ہے۔ جیسے بعض اوقات انسان دعوے سے کہتا ہے کہ مَیں نے اپنے محبوب سے بات منوانی ہے۔ مجھے کل کی دُعا میں اضطرار بھی تھا مگر اپنے محبوب سے ناز کرنے کا رنگ بھی تھا۔ ایسے وقت کی دُعا کے متعلق اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اسے ضائع کرنا محبت کی ہتک ہے۔ تو مومن کی زندگی میں ہر جگہ نشان ہوتے ہیں۔ اس سفر کا ایک اور نشان ہے۔ عزیزم مرزا ناصر احمد صاحب منالی جا رہے تھے ہم بھی دھرمسالہ سے انہیں چھوڑنے کے لئے دوسرے موٹر میں گئے۔ جب پالم پور تک انہیں چھوڑ کر واپس آ رہے تھے راستہ میں موٹر خراب ہوگئی اور ڈرائیور نے بتایا کہ پٹرول پہنچانیوالی نلکی بیچ میں سے ٹوٹ گئی ہے۔ بارش تیز ہو رہی تھی اور ساتھ مستورات تھیں۔ قریباً شام کا وقت تھا اور منزل سے قریباً ۲۲ میل دور تھے اور وہ بھی پہاڑی سفر کہ جو مَرد بھی دو میل فی گھنٹہ مُشکل سے چل سکے اور آدھ آدھ میل پر کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں آبادی ہو۔ مَیں نے سامنے دیکھا تو ایک جھونپڑی سی نظر آئی جو بعد میں معلوم ہوُا کہ دکان ہے۔ مَیں نے دل میں دُعا کی کہ وہاں تک ہی پہنچ جائیں۔ شاید وہاں سے کوئی صورت پیدا ہو سکے۔ مَیں نے دُعا کی کہ یا الٰہی یہ حالت ہے ہم تو چل بھی سکتے ہیں باہر بھی سو سکتے ہیں مگر ساتھ پردہ دار مستورات ہیں تو کوئی صورت پیدا کر دے اس سامنے کے مکان تک پہنچ جائیں۔ اتنے میں موٹر میں اصلاح ہوگئی اور وہ چل پڑی اور ہم دل میں بہت خوش ہوئے لیکن عین اس دکان کے سامنے جا کر وہ پھر کھڑی ہوگئی۔ جس تک پہنچنے کے لئے مَیں نے دُعا کی تھی۔ مَیں نے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو خدا تعالیٰ نے کس طرح عین اس جگہ لا کر کھڑا کر دیا ہے جہاں کے متعلق مَیں نے دل میں دُعا کی تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہماری موٹر جا کر ایسی جگہ رُکی کہ جو اس دکان کے دروازہ کے دونوں سروں کے عین درمیان تھی۔ نہ ایک فٹ اِدھر نہ ایک فٹ اُدھر۔ ساتھ ہی

اللہ تعالیٰ نے یہ سامان بھی کر دیا کہ وہاں ہم نے دیکھا کہ ایک لاری بھی کھڑی ہے حالانکہ وہ جنگل تھا ہم نے دریافت کیا تو لاری والے نے بتایا کہ ہم پر کوئی مقدمہ ہے اور جواب دہی کے لئے افسر کے پاس جا رہے ہیں۔ مالک گاؤں میں گیا ہؤا ہے اور وہ اس کا منتظر ہے۔ ہم نے اُسے کچھ امید دلائی اور کچھ لالچ دیا کہ اگر ہماری موٹر ٹھیک نہ ہو تو موٹر کو لاری کے ساتھ باندھ کر ہمیں گھر پہنچا دے یا کم سے کم کسی قصبہ تک جہاں موٹر ٹھیک ہو سکے اور اگر ٹھیک ہو جائے تو احتیاطاً ساتھ چلے کہ پھر موٹر کے دوبارہ خراب ہونے کی صورت میں ہماری مدد کرے۔ اوّل تو وہ نہ مانا لیکن قریباً ایک گھنٹہ تک مرمت کرنے کے بعد جب موٹر درست ہوئی تو وہ ڈرائیور بھی ساتھ چلنے پر رضامند ہو گیا۔ وہ علاقہ کچھ میدانی تھا اور چڑھائی کم تھی لیکن جب ہم اس جگہ پہنچے جہاں سے دھرمسالہ کی چڑھائی شروع ہوتی ہے اور تیرہ میل سفر باقی رہ گیا تو اس نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ ہم نے اسے بہت اُمید دلائی، انعام کا لالچ دیا، مالک کی ناراضگی کی صورت میں اس کے پاس سفارش کرنے کو کہا مگر وہ آمادہ نہ ہؤا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کی موٹر ٹھیک چل رہی ہے اب کیا حرج ہے۔ آپ اکیلے چلے جائیں۔ مَیں نے پھر دُعا کی کہ یا الٰہی پھر جنگل کا جنگل ہی رہا۔ رات کا وقت تھا اور اگر موٹر خراب ہوگئی تو دوسری سواری ملنے کی اُمید بھی نہیں کیونکہ وہاں رات کے وقت موٹروں اور لاریوں کا چلنا منع ہے۔ مَیں نے دُعا کی اور میرے یہی الفاظ تھے کہ اب انسانی حد تو ختم ہوگئی اب تو ہی اپنے فضل سے انتظام فرما۔ یہ دُعا کر کے مَیں نے موٹر کے چلانے کا اشارہ کیا قریب ترین جگہ وہاں سے لوئر دھرمسالہ تھی جو سات میل تھی۔ ہماری موٹر ٹھیک چلتی رہی۔ جب لوئر دھرمسالہ پہنچے تو مَیں نے عزیزم مرزا مظفر احمد صاحب سے جو میرے ساتھ تھے کہا کہ چلو دیکھیں شاید کوئی دوسری موٹر مل جائے تو اُسے ساتھ لے چلیں۔ وہاں موٹر وغیرہ نہیں ہوتے مگر جب گئے تو دیکھا کہ اتفاق سے وہاں ایک موٹر موجود ہے اور معلوم ہؤا کہ صبح اس نے کوئی سواری لے جانی ہے۔ اس لئے پٹھان کوٹ سے آئی ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا تو ڈرائیور نے کہا کہ بہت اچھا مَیں اَپر دھرمسالہ تک چھوڑ آتا ہوں۔ اس وقت اس دوسری موٹر کے لینے کا خیال اس لئے ہؤا کہ ہماری موٹر پر سواریاں زیادہ تھیں خیال تھا کہ سواریاں کم ہو جائیں گی تو ہماری موٹر کا خطرہ دور ہو جائے گا مگر جب سواریاں تقسیم کر کے

چلنے لگے تو معلوم ہؤا کہ موٹر کا وہ پُرزہ جو تکلیف دے رہا تھا پھر ٹوٹ گیا ہے اور اب ہماری موٹر کے چلنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس پر سب سواریاں کرایہ کی موٹر پر سوار ہو گئیں اور ہم آرام سے گھر پہنچ گئے۔ خدا تعالیٰ کا کتنا بڑا افضل تھا کہ عین اُس وقت آ کر موٹر خراب ہوئی جب دوسری سواری کے لئے میسر آ گئی اور ایسی خراب ہوئی کہ دو تین دن میں جا کر درست ہوئی مگر ہم بخریت گھر پہنچ گئے۔ تو دیکھو اگر ایک بات ہو تو اسے اتفاق کہہ سکتے ہیں مگر اس کو کس طرح اتفاق کہا جا سکتا ہے کہ پہلے عین اس جگہ پر پہنچا کر موٹر خراب ہوتی ہے جس کے لئے مَیں نے دُعا کی تھی اور وہاں جنگل میں ایک لاری بھی کھڑی ہوئی مل جاتی ہے جسے ساتھ لے کر ہم بقیہ سفر پورا کرنے کے لئے چل کھڑے ہوتے ہیں پھر جب وہ لاری والا ہمیں جواب دیتا ہے اور اصل چڑھائی شروع ہوتی ہے۔ مَیں پھر دُعا کرتا ہوں اور نہایت سخت چڑھائی پر موٹر بالکل آرام سے چڑھ جاتی ہے لیکن جب راستہ میں ایک اور شہر آتا ہے تو وہاں غیر متوقع طور پر پھر ایک موٹر مل جاتی ہے اور اس موٹر کے مل جانے پر پھر ہماری موٹر بُری طرح خراب ہو جاتی ہے لیکن ہم تکلیف سے بچ جاتے ہیں اور دوسری موٹر میں سوار ہو کر گھر پہنچ جاتے ہیں۔ غرض مومن تو دعاؤں کی قبولیت کے نشان ہر روز دیکھتا ہے۔ اسی جنگ کو دیکھ لو جس کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ اس میں بھی خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے نشانات ہیں۔ البانیہ میں ہمارا مبلغ گیا تھا مگر اُنہوں نے اسے نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مُلک پر تباہی نازل کر دی اور اٹلی نے اسے فتح کر لیا گو ایک مسلمان حکومت کی تباہی کا ہمیں افسوس ہے مگر خدا تعالیٰ کے نشان میں اس سے کمی نہیں ہو سکتی۔ پھر ہمارا ایک اَور مبلّغ پولینڈ میں گیا اُنہوں نے بھی اسے وہاں سے نکال دیا۔ اب دیکھ لو وہ کس طرح کانٹوں پر لیٹ رہا ہے۔ وہاں سے وہ چیکوسلوا کیہ گیا اُنہوں نے بھی اسے نکال دیا۔ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے برباد کر دیا۔ اس طرح متواتر تین ممالک میں نشان ظاہر ہوئے۔ پہلے افغانستان کا حشر جو ہؤا وہ سب کو معلوم ہے ان سب کو اتفاق کس طرح کہا جا سکتا ہے اور جن لوگوں کو روزانہ ایسے نشانات نظر آئیں ان کا ایمان اگر دُعا پر نہ ہو تو ان سے زیادہ بے وقوف کون ہو سکتا ہے۔ پس دُعائیں کرو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سب کی دُعائیں سُنتا ہے مگر تمہاری زیادہ سُنتا ہے۔ آج سے چار سال قبل مَیں نے اسی ممبر پر کھڑے ہو کر کہا تھا کہ انگریزی حکومت کے بعض افسر ہمیں

خواہ مخواہ دُکھ دیتے ہیں اور ہمیں تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ بے شک ان کے پاس توپیں ہیں اور فوجیں ہیں مگر ہمارا خدا ان سے بہت زیادہ طاقتور ہے اور وہ تو کیا اگر ان کے ساتھ جرمنی، روس، فرانس غرضیکہ سب طاقتیں مل جائیں تب بھی وہ ہمیں تباہ نہیں کرسکیں گے کیونکہ ہم خداتعالیٰ کی جماعت ہیں۔ اس کے بعد دیکھ لو برطانوی حکومت کو کس طرح تکلیف پر تکلیف اُٹھانی پڑی۔ حبشہ کے معاملہ میں اسے زک ہوئی، پھر سپین کے معاملہ میں ہوئی۔ اب یہ خطرہ درپیش ہے۔ اس میں شُبہ نہیں کہ ہمارے خلاف شرارتیں بعض مقامی انگریزی افسروں نے کی تھیں مگر ذمّہ داری اعلیٰ پر بھی آتی ہے بیشک وہ شرارتوں میں شامل نہ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اِسی نقطۂ نگاہ سے دیکھا کہ اُنہوں نے اپنی ذمّہ داری کو ادا کر کے ان کو سزائیں کیوں نہ دیں ورنہ انگریز جیسا کہ مَیں نے کہا ہے دوسری یوروپین قوموں سے بہت بہتر ہیں ابھی مجھے چِٹھی آئی ہے جو شاید ابھی چھپی نہیں کہ اٹلی کی حکومت نے بھی ہمارے مبلغ کو حُکم دیا ہے کہ ۱۵؍اگست تک اس مُلک سے نکل جاؤ۔ مولوی جلال الدین صاحب شمس کو جب اس کا علم ہؤا تو اُنہوں نے برطانوی حکومت کے پاس پروٹسٹ کیا اور کہا کہ ہمارے مبلّغ کا اگر کوئی قصور تھا تو ہمیں اس کی اطلاع ہونی چاہیئے۔ لارڈ زٹلینڈ نے اس بارہ میں بہت ہمدردی سے کام کیا اور ان کے ایک نائب نے فوراً فون سے شمس صاحب کو مطلع کیا کہ ہم اپنے قونصل روم کو تار دے رہے ہیں اور دوسرے تیسرے دن ان کو اطلاع دی کہ اس کی طرف سے اطلاع آئی ہے کہ اس نے اطالوی حکومت کو توجہ دلائی ہے اور اس کی طرف سے جواب ملا ہے کہ فی الحال اس حکم کو اٹلی کی حکومت نے منسوخ کر دیا ہے اور کہا ہے کہ ابھی مزید تحقیقات کریں گے تو انگریزی حکومت ہی ایسی ہے جس میں ہمیں تبلیغی سہولتیں حاصل ہیں۔ اس کے علاوہ اَور کسی حکومت میں ہم نے امن نہیں دیکھا۔ سوائے ڈچ حکومت کے۔ انگریزی حکومت میں سب سے زیادہ امن ہے اور دوسرے نمبر پر ہالینڈ کی حکومت ہے اور کسی حکومت میں ایسا نہیں۔ جاپان کا فی الحال ہم نے تجربہ نہیں کیا مگر باقی حکومتوں میں کیا ہے وہ اسلامی مبلغ کو برداشت نہیں کرسکتیں۔ مَیں خود مسولینی سے مِلا تھا اور اس نے مجھے خود کہا تھا کہ اپنا مبلّغ بھیجیں اور اس وجہ سے خیال تھا کہ وہ ہمدردانہ رویہ رکھیں گے مگر تجربہ سے معلوم ہؤا ہے کہ وہ ہمدردی عمل میں نہیں آئی۔ تو انگریزوں کے بعض آدمیوں کی

شرارتوں کے باوجود ہماری ہمدردی انگریزوں سے ہے کیونکہ وہ دوسری شہنشاہیت والی حکومتوں کی نسبت بہت اچھے ہیں۔ پس ہم جو اِن کی حکومت میں بستے ہیں ہمارے لئے ان کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہے مگر مَیں کہتا ہوں کہ جو میرے اس خیال سے متفق نہ ہوں وہ بھی تعاون پر مجبور ہیں۔ کیونکہ ہندوستان اور انگلستان کا تعلق ایسا نہیں کہ اس کی موجودگی میں ہندوستان الگ رہ سکے۔ اسی دعاؤں کے ہی ضمن میں ایک اور بات بھی مَیں کہنی چاہتا ہوں مجھے رپورٹ پہنچی ہے کہ احرار نے استسقاء کی نماز عیدگاہ میں پڑھنی چاہی۔ اس سے ہمارے آدمیوں کو اپنے حقوق کے اتلاف کا خیال ہؤا اور اُنہوں نے اُن کو روکا۔ چنانچہ حُکّام نے ان کو وہاں نماز پڑھنے سے روک دیا۔ اس موقع پر مجھے خیال آیا کہ ان کے پاس نماز کے لئے جگہ موجود نہ تھی۔ پہلے بھی جب قبرستان کا جھگڑا ہؤا ہے مجھے یہ خیال آیا تھا اور مَیں نے اس موقع پر مجسٹریٹ کو کہلا بھی بھیجا کہ اگر یہ لوگ اپنی مُشکلات مجھے بتائیں تو میں حُسنِ سلوک سے انکار نہیں کروں گا مگر یہ لوگ ایسا طریق اختیار کرتے ہیں جو لڑائی کا ہوتا ہے اور اس لئے ہمیں بھی مجبوراً جواب دینا پڑتا ہے۔ اس موقع پر پھر مجھے خیال آیا کہ یہ بات انسانی فطرت میں داخل ہے کہ اگر کوئی چیز اس کی طرف منسوب نہ ہو تو اسے تکلیف ہوتی ہے جو بچے یتیم ہو جاتے ہیں ان کے رشتہ دار گو اُن کے ماں باپ سے بھی اچھا سلوک ان کے ساتھ کریں ان کے دل میں یہ خلش ضرور رہتی ہے کہ ہمارے ماں باپ نہیں ہیں اسی طرح گو ان کو نماز کے لئے جگہ تو مل گئی مگر ان کے دل میں یہ احساس تو ضرور ہوگا کہ یہ ہماری نہیں ہے اور اس میں نماز پڑھنا ہمارا حق تو نہیں۔ یہ کسی زمیندار کا احسان ہے کہ اس نے پڑھنے کی اجازت دے دی۔ جس دن کوئی چاہے اجازت دے دے اور جس دن چاہے نکال دے اور گو مَیں پہلے بھی اس امر کے لئے تیار تھا کہ اگر وہ آ کر کہیں تو ان کے لئے علیحدہ انتظام کر دوں مگر اب مجھے خیال آیا کہ میں کیوں اس امر کو اس دن کے لئے اُٹھا رکھوں کہ جب وہ آ کر مجھ سے مدد مانگیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس جگہ زمین دے رکھی ہے۔ ہزاروں خاندان اس مُلک میں ایسے ہیں کہ جن کے باپ دادا کی بادشاہت یہاں ہم سے زیادہ تھی مگر آج وہ جوتیاں صاف کر کے روزی کماتے ہیں اور گو آج ہمارے پاس دولت نہ ہو مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے اتنی زمین ضرور ہے کہ ہم مالک یا رئیس

کہلاتے ہیں۔ میرے دل نے محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل انسان پر اس لئے ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے حُسنِ سلوک کرے۔ گو بعض اخلاقی اور قانونی مصلحتیں میرے رستہ میں روک بن رہی تھیں مگر مَیں نے غور کر کے ایک رستہ نکال لیا ہے اور اب مَیں اعلان کرتا ہوں کہ مَیں اس بات کے لئے تیار ہوں کہ ان کو نمازِ عید و استسقاء کے لئے زمین دے دوں۔ ۶۰×۷۵ فٹ کا ایک کنال ہوتا ہے۔ ۲ فٹ میں ایک آدمی کھڑا ہوتا ہے۔ گویا ساٹھ فٹ میں تیس آدمی آسکتے ہیں اور چار فٹ کی جگہ ایک صف کے لئے کافی ہوتی ہے۔ اس لئے ۷۵ فٹ میں اٹھارہ صفیں بن جاتی ہیں۔ گو لوگ تین فٹ بھی کافی سمجھتے ہیں مگر میں چار فٹ رکھتا ہوں اور اس حساب سے ایک کنال میں ۵۴۰ آدمی آجاتے ہیں۔ یہاں سارے غیر احمدی چھ سات سو ہیں مگر عیدین اور استسقاء وغیرہ مواقع پر باہر سے بھی آجاتے ہیں اور عورتیں بچے بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے دو کنال زمین قادیان کے غیر احمدیوں کی نماز عید و استسقاء کے لئے کافی ہے اور وضو کی جگہ اور جوتیوں وغیرہ کے لئے جگہ بلکہ ان کی آئندہ ضرورتوں کا بھی خیال کر کے میں سمجھتا ہوں کہ چار کنال زمین ان کی سب ضرورتوں کو پورا کرسکتی ہے اور مَیں اس قدر زمین انہیں ان اغراض کے لئے دینے کے لئے تیار ہوں مگر شرط یہ ہوگی کہ وہ اسے ہمارے خلاف استعمال نہ کرسکیں گے۔ وہ اپنا ایک ٹرسٹ اور رجسٹرڈ انجمن بنالیں اور مَیں وقف کی صورت میں یہ زمین انہیں دے دوں گا مگر شرط یہ ضروری ہوگی کہ اسے ہمارے خلاف استعمال نہ کیا جاسکے گا۔ اسی طرح یہ بھی کہ غیر احمدیوں کو وہاں نماز کا حق ہوگا مگر احمدی کہلانے والے ہمارے مخالفوں کو اس کے استعمال کا حق نہ ہوگا۔ یہاں بڑی بڑی قومیں کشمیری، آرائیں اور کمہار ہیں۔ میرے نزدیک بہتر ہوگا کہ ان کا ایک ایک نمائندہ چُن لیا جاے اسی طرح ایک نمائندہ بقیہ اقوام سے ہو جو تھوڑی تھوڑی تعداد میں ہیں اور ایک نمائندہ پرانے امام خاندان سے ہو جو میاں شمس الدین صاحب کا خاندان ہے۔ وہ ہمارے استاد بھی تھے ان نمائندوں کے ٹرسٹ کے سپرد میں یہ زمین کردوں گا۔ انشاء اللہ وہاں رہٹ والا کنواں بھی لگوادوں گا بلکہ میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ اگر محبت سے یہ لوگ معاملہ طے کریں تو وہاں پھلدار درختوں کے لگانے کے لئے کچھ زائد زمین بھی دے دوں اور اس میں خود درخت لگوادوں تا ضرورت کے وقت سایہ سے بھی یہ لوگ فائدہ اُٹھائیں اور پھلوں

کی آمد سے زمین کے محافظ کا خرچ بھی کسی قدر نکلتا رہے۔ ہاں جیسا کہ میں نے کہا ہے وہ لوگ اس میں نماز عید اور استسقاء پڑھ سکیں گے مگر احمدیت کے خلاف اسے استعمال کرنے کے مجاز نہ ہوں گے اور اس کی منتظمہ کمیٹی صرف یہاں کی پُرانی آبادی کے افراد پر مشتمل ہوگی۔ اس انتظام کی صورت میں ان لوگوں کے دل پر سے یہ بوجھ اُتر جائے گا کہ ان کے لئے عید وغیرہ کے لئے کوئی جگہ نہیں بلکہ مَیں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر مجھ پر ثابت ہو جائے کہ قبرستان کے لئے ان لوگوں کے پاس کافی جگہ نہیں تو اس کے لئے بھی کچھ زمین وقف کر دوں۔ گو اس وقت تک مجھ پر یہی اثر ہے کہ اس معاملہ میں وہ محض ضد کی وجہ سے شور کر رہے ہیں ورنہ پُرانا قبرستان اس غرض کے لئے کافی ہے لیکن اگر وہ کافی نہ ہو تو مَیں محسوس کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھ پر احسان کیا ہے اسے دیکھتے ہوئے جس طرح زندہ لوگوں کا مجھ پر حق ہے اسی طرح مُردوں کا بھی مجھ پر حق ہے۔ پس اگر مجھ پر ثابت ہو جائے کہ واقعی مُردے دفنانے کے لئے ان لوگوں کو جگہ کی ضرورت ہے تو مجھے چاہئے کہ اس کے لئے بھی زمین کا انتظام کروں۔ اگر یہ ضرورت ثابت ہوئی تو میں اس کے لئے بھی حسب ضرورت زمین وقف کر دوں گا۔ انشاء اللہ۔ اِسے بھی ایک مقامی ٹرسٹ کے سپرد کر دوں گا جو غیر احمدی افراد پر مشتمل ہوگا۔

فِی الحال ایک ماہ کے لئے یہ پیشکش کرتا ہوں۔ ایک ماہ کی شرط میں اس لئے لگاتا ہوں کہ ان کو جلد توجہ ہو جائے ورنہ زیادہ عرصہ گزر جائے تو بات کھٹائی میں پڑ جاتی ہے نیز اِس وقت ایک قطعہ میرے ذہن میں ہے جو ممکن ہے بعد میں فروخت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خواہ وہ کسی قوم کی ہو مَیں سمجھتا ہوں اگر وہ ضد کی وجہ سے نہ ہو تو اس میں تعاون ضروری ہے۔ خواہ عبادت کرنے والے دُشمن ہی کیوں نہ ہوں جب کوئی خدا تعالیٰ کا نام لیتا ہے تو ہمیں ضرور اس سے تعاون کرنا چاہئے۔ یہاں کے غیر احمدی پہلے نماز پڑھا ہی نہیں کرتے تھے مگر اب گو ہماری دُشمنی کی وجہ سے ہی سہی کچھ نہ کچھ پڑھنے تو لگے ہیں۔ مَیں پہلے ہندو صاحبان سے بھی اِسی قسم کا ایک معاملہ کر چُکا ہوں اور دوسری اقوام سے بھی جائز ضرورتوں کے پورا کرنے میں تعاون کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مَیں اُمید کرتا ہوں کہ جس محبت سے مَیں نے یہ پیشکش کی ہے وہ بھی اسی سپرٹ میں اس کو دیکھیں گے اور ان ایّام میں جبکہ ایک خطرناک جنگ کے آثار ظاہر

ہو رہے ہیں اختلافات کو مٹا کر ایسی فضا پیدا کریں گے کہ ہم سب دُشمنانِ مُلک کا مقابلہ کر سکیں اور حکومت کی پریشانی بھی دور ہو جائے۔ ان دو غرضوں کے سوا میری اَور کوئی غرض نہیں۔ اوّل یہاں کے غیر احمدیوں کی حقیقی ضرورت کا پورا کرنا، دوسرے اس نازک وقت میں حکومت کی تشویش کو دور کرنا لیکن اگر باوجود اس نیک نیتی کے اور ایک معقول مالی بوجھ اُٹھانے کے لئے تیار ہونے کے ان کو بعض لوگ اُکسائیں اور مشتعل کریں اور کہیں کہ وہ زبردستی ہم سے ہمارے قبرستان اور عیدگاہیں چھینیں گے تو ہمیں کسی گھبراہٹ کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آخر ہم نے ہی غالب آنا ہے نہ صرف قادیان میں بلکہ ساری دُنیا میں بہرحال مَیں نے ان کی خیر خواہی کی ایک تجویز پیش کر دی ہے اگر وہ اسے قبول کریں تو ان کا فائدہ ہے اور اگر نہ کریں تو ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ وَاللهُ عَلِیْمٌ بِمَا فِیْ صَدْرِیْ و عَلَیْهِ التُّکْلَانُ''۔

(الفضل ۹ر ستمبر ۱۹۳۹ء)

---

۱ سنن ابن ماجه کتاب الفتن باب الکف عمن قال لا اِلٰه اِلَّا الله

۲ النمل: ۶۳　　۳ البقرہ: ۱۸۷　　۴ العنکبوت: ۷۰

۵ اربعین نمبر۴۔ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۴۷۲

۶ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۷﴾ (نوح: ۲۷)

۷ بنی اسرائیل: ۲۱

۸ ترشُّح: بوندا باندی۔ تقاطر۔ از فیروز اللغات اُردو جامع نیا ایڈیشن فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ لاہور